ولقد همت به وهم بها لولا ان را برهان ربه[1]، کا معنی و مفهوم

محمد کامران قریشی، ریسرچ اسکالر، شعبہ علوم اسلامی

''اوراس عورت نے تو قصد کرلیا تھا ان کا اور وہ بھی قصد کرتے اگر نہ دیکھ لیتے اپنے رب کی روشن دلیل''اس آیت کریمہ میں ''ھم'' کالفظ استعمال ہوا ہے۔

امام بیضاوی لکھتے ہیں:

والھم بالشئی قصدہ والعزم علیہ [2]

اور''ھم'' کا معنی ہے کسی چیز کا عزم اور قصد کرنا، عزیز مصر کی بیوی نے تو آپ سے قربت کا قصد کیا لیکن آپ نے بغرض زجر وتوبیخ اُسے مارنے کا ارادہ کیا اور چونکہ عورت ذات اور وہ بھی غیر محرم عورت کو ڈانٹنا یا اُن پر ہاتھ اٹھانا باوقار مردوں کی شان نہیں۔ مرد کو اس کی اجازت نہیں اور مرد بھی وہ جو نعمتِ نبوت سے سرفراز ہو کسی طور لائق شان نہیں لہٰذا حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ رب العزت نے اس عمل سے محفوظ فرمایا۔

علامحمد بن جریر طبری لکھتے ہیں''**ولقد همتِ المرأة بیوسف، وهم بها یوسف ان یضربها**''[3]
یعنی عزیز مصر کی عورت نے آپ علیہ السلام کی عصمت کو داغدار کرنے کا پختہ ارادہ کیا اور آپ علیہ السلام نے اُس کے اس مذموم عزم کو روکنے کا ارادہ کیا۔

پیش نظر آیت مبارکہ میں ھم کا کلمہ دو دفعہ آیا ہے اور دونوں جگہ اس کا استعمال فعل ماضی میں ہوا ہے لیکن دونوں کے فاعل جدا جدا ہیں''ھمت'' فعل واحد مؤنث غائب کا فاعل عزیز مصر کی بیوی ہے اور''ھم'' فعل واحد مذکر غائب میں فعل کی نسبت حضرت یوسف علیہ السلام کی جانب ہے۔ جب کہ''لولا ان را برھان ربہ'' یہ جملہ شرط مؤخر ہے اور ھم بھا جزا مقدم۔ علمائے لغت کا اس میں اختلاف ہے کہ جزا کو شرط پر مقدم کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اکثریت اس بات پر متفق ہے کہ جزا کو مقدم نہیں کیا جائیگا۔

علامہ زمخشری لکھتے ہیں:

لان لولا یتقدم علیها جوابها من قبل انه فی حکم الشرط، وللشرط صدر الکلام وهو مع ماضی حیزه من الجملتین مثل کلمة واحدة، ولایجوز یقدهم بعض الکلمة علی بعض [4]

علامہ موصوف سوال قائم کرتے ہیں کہ لولا کا جواب اس پر مقدم کیوں نہیں ہوسکتا پھر اس عبارت سے جواب

دیتے ہوئے فرماتے ہیں لولا کا جواب اس پر مقدم نہیں ہوتا کیونکہ لولا شرط کے حکم میں ہے اور شرط جملہ کے شروع میں آتا ہے جو کہ دو جملوں میں سے مثل ایک کلمہ کے ہوتی ہے اور جائز نہیں ایک جز کی تقدیم دوسرے جُو پر، ان کا خیال ہے کہ ھم بہا مستقل جملہ ہے "لولا" سے اس کا کوئی تعلق نہیں "لولا ان را برھان ربہ" شرط ہے اور اس کی جزا محذوف ہے اس رائے کے حاملین پھر اس بات میں باہم مختلف ہیں کہ کیا ان دونوں فعلوں کا ایک ہی معنی ہے یا الگ الگ چنانچہ ان میں سے ایک جماعت کا خیال ہے کہ ھمت کا معنی ہے کسی چیز کا عزم اور قصد کرنا جبکہ ھمّ بھا میں عزم قصد کا معنی نہیں بلکہ محض میلان طبع مراد ہے اس خیال کے مطابق آیت کا معنی یہ ہوگا، عزیز مصر کی زوجہ نے تو اس حرکت کے ارتکاب کا عزم مصمم کیا لیکن حضرت یوسف علیہ السلام کے دل میں محض میلان طبع کا ظہور ہوا۔ اس تمام تر صورتحال کا تحقیقی جائزہ لیتے ہوئے حضرت امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں:

لولا ان رای برھان ربہ

شرط مؤخر ہے اور ھم بھا جزا مقدم ہے اس صورت میں آیت کا معنی یہ ہوگا کہ زلیخا نے تو اس فعل کا عزم مصمم کیا اور اگر یوسف برھانِ الٰہی کا مشاہدہ نہ کرتے تو آپ بھی (ان انتہائی اشتعال انگیز حالات میں) اس فعل کا عزم اور قصد کرتے نتیجہ یہ نکلا کہ آپ نے کیونکہ برھانِ الٰہی کا مشاہدہ فرمایا اس لئے ان سے اس فعل کا عزم وقصد وقوع پذیر نہیں ہوا آپ فرماتے ہیں کہ آؤ ان سے پوچھیں جن کا اس واقعہ سے براہِ راست تعلق تھا کہ کیا حضرت یوسف علیہ السلام نے عزم و قصد کیا تھا یا نہیں جو فیصلہ وہ دیں اس کو تسلیم کرنے میں کسی کو تذبذب نہیں ہونا چاہئے، فرماتے ہیں کہ جن کا اس واقعہ سے براہِ راست تعلق تھا وہ یہ ہیں۔ خود حضرت یوسف علیہ السلام، زلیخا، عزیز مصر، زنانِ مصر۔ گواہ خود اللہ رب العزت ہے حضرت یوسف علیہ السلام کا اپنا بیان یہ ہے "ھی راودتنی عن نفسی" ۵

اس عورت نے مجھے طرح طرح سے پھسلانا چاہا،

پھر آپ کا یہ دعا فرمانا "رب السجن احب الی مما یدعوننی الیہ"

اے اللہ جس بُری حرکت کی طرف مجھے وہ بلاتی ہے اس سے تو قید خانہ زیادہ مجھے پسند ہے۔

عزیز مصر کی بیوی نے دوبار برملا آپ کے دامن کی پاکی کا اعتراف کیا پہلی مرتبہ اس نے زنانِ مصر کے سامنے کہا "ولقد راودتہ عن نفسہ فاستعصم" اور دوسری بار جب بادشاہِ مصر نے یوسف علیہ السلام کو قید خانہ سے رہا کر کے اپنے دربار میں لے آنے کا حکم دیا تو حضرت یوسف علیہ السلام نے اس کی اس دعوت کو قبول نہ کیا بلکہ فرمایا کہ جب تک مجھ پر لگائے ہوئے بہتان کا تحقیق نہ ہوجائے میں جیل سے نکلنے کیلئے تیار نہیں اس وقت زلیخا نے پھر برملا کہا

"آلان حصحص الحق انا راودته عن نفسه وانه لمن الصادقين" ٦

اورعزیز مصر نے تو اس وقت ہی اپنی عورت سے کہہ دیا تھا ''انه من كيد كن انّ كيد كن عظيم''
یہ سب سراسر تمہارا ہی مکر و فریب ہے، بیشک یوسف بے گناہ ہے اور اس گواہ نے بھی گواہی دی کہ اگر اُن کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہوئی ہے تو یہ سچے ہیں اور سب سے سچا گواہ خود اللہ جل مجدہ ہے اس نے بھی آپ کی پاکدامنی کی شہادت اسی آیت میں اس طرح بیان فرمائی۔

لنصرف عنه السوء و الفحشاء انه من عبادنا المخلصين [7]

یعنی یوسف تو ہمارے چُنے ہوئے بندوں میں سے ہے اس سے تو ہم نے ہر قسم کی برائی اور فحش کو دور کر دیا۔
اور تو اور خود ابلیس ملعون کا یہ اعتراف کر لینا۔

فبعزتك لاغوينهم اجمعين الاعبادك منهم المخلصين [8]

''مجھے تیری عزت کی قسم میں ان سب کو راہِ راست سے بھٹکا دوں گا لیکن تیرے مخلص بندوں پر میرا داؤ ہرگز نہیں چل سکتا'' تو پھر کس زاویے سے یوسف علیہ السلام کی پاک دامنی کو مجروح کیا جا سکتا ہے کیونکہ انسانیت کا جارح ازلی بارگاہِ رب العزت کی قسم کھا کر یہ کہہ رہا ہے کہ تیرے مخلص بندے میرے دامِ فریب میں ہرگز نہیں آ سکتے اور بلاشبہ یوسف علیہ السلام بارگاہِ رب العزت میں مقبول اور مخلص ہیں اس لئے شیطان کے مکر و فریب میں نہیں آ سکتے۔

''ھم'' کا لغوی اور اصطلاحی معنی

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

ھم: الھم الحزن الذی یذیب الانسان یقال هممت الشحم فانهم و الهم ماهممت به فی نفسک "قال الله تعالیٰ اذھم قوم ان یبسطوا الیکم ایدیھم" [9]

ھم اس فکر کو کہتے ہیں جس سے انسان گھل جاتا ہے اسی سے عربوں کا یہ قول ہے ''ھمت الشحم'' میں نے چربی کو پگھلا دیا ہے اور ھم کا معنی ہے دل میں کسی چیز کا قصد کرنا ارشاد باری ہے ''جب ایک قوم نے یہ قصد کیا کہ وہ تمہاری طرف دست درازی کریں''

حضرت علی بن سلطان محمد القاری ''ھم کے معانی تدریجاً بیان کرتے ہوئے کچھ اس طرح ضبط تحریر میں لاتے ہیں کہ:

''دل میں اچانک کسی چیز کا خیال آ جائے تو اس کو 'ھاجس'' کہتے ہیں اور اگر بار بار کسی چیز کا خیال آئے تو اس کو ''خاطر'' کہتے ہیں اور جب دل اس چیز کے متعلق سوچنا شروع کر دے اور اس کے حصول کا منصوبہ بنانے لگے تو اس کو ''حدیث نفس'' کہتے ہیں اور جب اس کام کو کرنے کا راجح اور غالب قصد ہو اور مرجوح اور مغلوب قصد نہ کرنے کا ہو کہ مبادا

اس میں کوئی خطرہ ہو اس کو ''ہم'' کہتے ہیں اور جب کام نہ کرنے کی مغلوب اور مرجوح جانب ختم ہو جائے اور انسان یہ پکا قصد کرے کہ میں نے یہ کام کرنا ہے خواہ فائدہ ہو یا نقصان تو اس کو ''عزم اور نیت'' کہتے ہیں اور انسان اس عزم کا مکلّف ہے اگر گناہ کا ''ھم'' کیا جائے تو اس پر مواخذہ نہیں ہوتا لیکن اگر گناہ کا عزم اور اس کی نیت کی جائے تو اس پر مواخذہ ہوتا ہے''۱۰

حدیث نبوی سے ہم کے معنی پر استدلال:

''ھم'' سے متعلق یہ حدیث ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

''ومن هم بحسنة فلم يعملها كتبت له حسنة،فان عملها كتبت له عشراً،ومن هم بسيئةفلم يعملها لم تكتب شيئاً،فان عملها كتبت سيئة واحدةً''۱۱

''جب میرا بندہ نیکی کا ھم (قصد) کرے اور اس پر عمل نہ کرے تو میں اس کی ایک نیکی لکھ دیتا ہوں اور جب وہ اس نیکی پر عمل کرے تو میں اس کی دس سے لے کر سات سو تک نیکیاں لکھ دیتا ہوں اور اگر میرا بندہ معصیت کا ھم (قصد) کرے اور اس پر عمل نہ کرے تو میں اس کی وہ معصیت نہیں لکھتا اور اگر وہ اس معصیت پر عمل کرے تو میں اس کی صرف ایک معصیت لکھتا ہوں''

بہر کیف موضوعِ تحقیق آیت کریمہ میں علماء نے معانی کے تعین کیلئے بہت سے محامل بیان کئے ہمارا جو مختار موقف ہے جس کا ہم نے شروع میں ذکر کیا وہ یہ ہے کہ عزیز مصر کی بیوی نے ارتکاب زنا کا ھم (قصد) کیا جبکہ سیدنا یوسف علیہ السلام بغرضِ توبیخ مارنے کا ھم (قصد) کرتے ،کلمہ ھم اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جو شدت زلیخا کے ارادے میں تھی اتنی ہی شدت سیدنا یوسف علیہ السلام کے ارادے میں ہوتی لیکن دونوں کے ارادے میں فرق کیا جائے گا قرآن حکیم میں یہ اندازِ کلام عام ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے ''ومکروا ومکر اللہ''

پہلے مکر کا معنی کچھ اور ہے اور جس مکر کی نسبت ذات باری کی طرف ہے اس کا معنی کچھ اور ہے، ایسا انداز کلام قرآن کے اعجاز پر دلالت کرتا ہے کہ ایک کو حقیقی معنی میں لیا جائے اور دوسرے کو مجازی معنی میں ''ھم بہا جزا مقدم ہے'' بعض اہل لغت ''ھم بہا'' کو جزاء مقدم بنانے سے انکاری ہیں۔وہ کہتے ہیں:

''ان تقديم جواب لولا شاذ وغير موجود فى الكلام الفصيح''۱۲

لولا کی جزا کی تقدیم شاذ ہے اور کلام فصیح میں موجود نہیں۔

رائج طریقہ تو یہ ہی ہے کہ جزا شرط سے مقدم نہ ہو لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اگر کسی معنوی اہمیت کے

پیشِ نظراس کومقدم کردیا جائے تو یہ غلط ہے بلکہ مؤخر کو مقدم اور مقدم کو مؤخر کرنا بر سبیلِ مجاز کلام عرب میں رائج ہے۔

چنانچہ تقدیم وتاخیر کی اس لسانی گنجائش اوراس کی ادبی افادیت کے بارے میں:

امام جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں:

" التقديم والتأخير، عدّه قوم من المجاز لانّ تقديم مارتبته التأخر كالمفعول وتأخير مارتبته التقديم كالفاعل نقل لكل واحد منهما عن مرتبته وحقه' ١٣

جہاں تک جزاء کوشرط پر مقدم کرنے کی بات ہے تو اس حوالے سے علامہ قاضی ابی السعود فرماتے ہیں:

"وقد جوز أن يكون وهم بها جواب لولا جريا على قاعدة الكوفين في جوازِ التقديم" ١٤

اور تحقیق جائز ہے کہ ھم بھا کلمہ لولا کا جواب واقع ہواور تقدیم جواز کا یہ قاعدہ اہل کوفہ کے ہاں معمول رہا ہے، ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ لولا کی جزا پر لام کا آنا ضروری ہے اگر ھم بھا جزائے مقدم ہوتی تو اس پر لام ضرور داخل ہوتا، لام کا نہ ہونا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اس ھم بھا کا لولا کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔

چنانچہ ابراھیم بن محمد زجاج لکھتے ہیں:

وليس في الكلام بكثير ان تقول: ضربتك لولا زيد، ولا هممت بك لولا زيد، انما الكلام لولا زيد لهمت بك، ولولاتجاب بلام، فلو كان ولقد هممت به ولهم بها لولا أن رائ اى برهان ربه لكان يجوز على بعد: ١٥

''زجاج کہتے ہیں کہ کلام عرب میں ایسا استعمال کثرت سے نہیں ہے کہ تم کہو' مارتا میں تمہیں اگر نہ ہوتا زید، اور نہ یہ کہا جاتا ہے، قصد کرتا میں تمہارا اگر نہ ہوتا زید، بلکہ کلام اس طرح کیا جاتا ہے، اگر نہ ہوتا زید تو میں تمہارہ قصد کرتا، اوردوسری بات یہ ہیکہ لولا کے جواب پر لام داخل ہوتا ہے اگر آیت اس طرح ہوتی ولقد همت به ولهم بها لولا ان رأى برهان ربه تو بھی جواز کی کوئی صورت نکل سکتی تھی۔

زجاج نے لولا کے جواب کی عدمِ تقدیم پر یہ دو اعتراض کیے جن میں سے ایک کا جواب تو ہم نے علامہ ابو السعود کی عبارت اور استعمال مجاز کے حوالے سے دے دیا، دخولِ لام کی جہاں تک بات ہے تو اس حوالے سے ہم قرآن حکیم کی اس آیت کریمہ کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں:

"ان كانت لتبدى به لولا ان ربطنا على قلبها"

یہاں تو ''ان کانت لولا'' کی جزا مقدم واقع ہے اور اس پر لام بھی داخل نہیں، ہم اس بحث کو علامہ ابی حیان اندلسی کی تفسیر البحر المحیط کے درج ذیل اقتباس پر ختم کرتے ہیں۔

”ولقد همّت به وان جواب لولا فی قوله وهم بها وان المعنی لولا ان رأی البرهان لهم بها فلم یهم یوسف علیه السلام قال وهذا قول یرده لسان العرب واقوال السلف انتهی اما قوله یرده لسان العرب فلیس کما ذکر وقد استدل من ذهب الی جواز ذالک بوجوده فی لسان العرب قال اللّٰہ تعالیٰ ان کانت لتبدی به لولا أن ربطنا علی قلبها لتکون من المؤمنین، فقوله ان کادت لتبدی به اما أن یتخرج علی انه الجواب علی ماذهب الیه ذالک القائل واما أن یتخرج علی ماذهبنا الیه من انه دلیل الجواب والتقدیر لولا أن ربطنا علی قلبها لکادت تبدی به، واما اقوال السلف فنعتقد انه لایصح عن أحد منهم شئ من ذلک لانها اقوال متکادبة یناقض بعضها بعضاً مع کونها قادحة فی بعض فساق المسلمین فضلا عن المقطوع لهم بالمعصیةوالذی روی عن السلف لایساعد علیه کلام العرب لانهم قدروا جواب لولا محذوفا ولایدل علیه دلیل لانهم لم یقدروا لهم بها ولایدل کلام العرب الا علی أن یکون المحذوف من معنی ماقبل الشرط لان ماقبل الشرط دلیل علیه ولایحذف الشی بغیر دلیل علیه وقد طهرنا کتابنا هذا عن نقل مافی کتب التفسیر هما لایلیق ذکره، واقتصرنا علی مادل علیه لسان العرب ومساق الآیات التی فی هذه السورة مما یدل علی العصمة وبرائة یوسف علیه السلام من کل مایشین.[16]

علامہ ابوحیان نے بہت شرح وبسط سے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں وارد تقریباً تمام منفی اقوال اور روایات کا نہ صرف تجزیہ کیا بلکہ مثبت پہلو کو اجاگر کرنے کی کامیاب کوشش بھی کی چنانچہ سب سے پہلے تو آپ نے اس بات کی تصریح فرمائی کہ جزا کو شرط پر مقدم کرنے کا قاعدہ نحویوں کے نزدیک متفقہ نہیں ہے کوفیوں نے تو اس تقدیم کو بالکل جائز قرار دیا ہے اور اہل بصرہ میں سے ابوزید انصاری اور مبرد جیسے ماہر لسانیات اس کے جواز کے قائل ہیں جہاں تک اس بات کا تعلق کہ جزا پر لام کا آنا ضروری ہے تو اس کا جواب یہ ہیکہ لام کا آنا جائز ہے واجب نہیں کہ اس کے بغیر جزا آ ہی نہیں سکتی ارشاد باری ہے ان کانت لتبدی به لولا ان ربطنا علی قلبها۔ ان کانت نہ صرف لولا کی جزا ہے بلکہ اس پر مقدم بھی ہے اور مزید کمال یہ ہے کہ اس پر لام بھی نہیں اس کے باجود اگر کوئی بضد ہی ہو کہ لولا کی جزا مقدم نہیں ہو سکتی تو ہم کہیں گے کہ چلو مان لیا کہ ”ھم بھا“ جزا نہیں ہے کیونکہ یہ مقدم ہے اور تمہارے خیال میں اگر اس مقدم کو جزاً بنالیا گیا تو آسمان گر پڑے گا پس تم ہی بتاؤ وہ کونسی جزا ہے جس کو تم مقدر مانتے ہو قاعدے کے مطابق اسی چیز کو مقدر مانا جاسکتا ہے جس پر کلام سابق دلالت کرے اس لئے جو جزا مقدر مانی جائیگی وہ یہ ہی ”ھم بھا“ ہی ہوگی جس پر کلام سابق دلالت کر رہا ہے اس صورت میں بھی معنی وہ ہی رہیگا جو ہم نے بیان کیا ہے جہاں تک اقوال سلف سے استدلال کئے جانے کی بات ہے تو یہ

اقوال آپس میں اس قدر متضاد ہیں اور دوسرے کی تکذیب کر رہے ہیں کہ انہیں صحیح تسلیم نہیں کیا جا سکتا نیز یہ کسی مستند روایت سے ان اسلاف سے ثابت بھی نہیں جن کی طرف انہیں منسوب کیا جاتا ہے اور ہم نے تو اپنی کتاب کے صفحات کو ایسی روایات کے نقل کرنے سے پاک رکھا ہے اور آیت کی توضیح کرتے ہوئے لغت عرب کے قواعد پر اعتماد کیا ہے اور ان سابقہ آیات کو پیش نظر رکھا ہے جو کہ اسی سورۃ میں سیدنا یوسف علیہ السلام کی شانِ نبوت آپ کی عصمت اور برأت پر دلالت کر رہی ہیں۔

☆☆☆

حوالہ جات

۱۔ القرآن، سورۃ یوسف: آیت۔۲۴

۲۔ تفسیر بیضاوی، قاضی ناصر الدین بیضاوی، صفحہ: ۳۹۴

۳۔ تفسیر طبری، علامہ محمد بن جریر طبری، صفحہ: ۲۲۰، جلد۔۱۱، دار احیاء التراث العربی

۴۔ تفسیر کشاف، جار اللہ زمخشری، صفحہ: ۴۳۰، جلد دوم، قدیم کتب خانہ

۵۔ القرآن، سورۃ یوسف، آیت: ۲۶

۶۔ القرآن، سورۃ یوسف، آیت: ۵۱

۷۔ القرآن، سورۃ یوسف، آیت: ۲۴

۸۔ تفسیر کبیر، فخر الدین رازی، دار احیاء التراث العربی

۹۔ القرآن، سورۃ ص، آیت: ۸۲۔۸۳

۱۰۔ المفردات، علامہ راغب اصفہانی، صفحہ: ۵۴۵، قدیمی کتب خانہ

۱۱۔ صحیح مسلم، امام مسلم بن حجاج قشیری، صفحہ: ۸۳، باب الاسراء، دار السلام، ۱۴۲۱ ھجری

۱۲۔ مرقات، علامہ علی بن سلطان محمد قاری، صفحہ: ۲۴۳، جلد اول، مکتبہ امدادیہ ۱۳۹۰ ھجری ۱۴۔

۱۳۔ اعراب القرآن، ابو جعفر احمد بن محمد، صفحہ: ۴۴۷، دار المعارفہ بیروت، ۱۴۲۷ھ

۱۴۔ الاتقان فی علوم القرآن، جلال الدین سیوطی، صفحہ ۱۲۶، جز سوم، المکتبۃ العصریہ ۱۴۰۸ ھجری

۱۵۔ تفسیر ابی سعود، قاضی بن محمد حنفی، صفحہ: ۱۲۹، جلد: ۳ مکتبۃ الریاض الحدیثہ

۱۶۔ اعراب القرآن، ابراھیم بن محمد، صفحہ: ۱۰۲، جلد: ۳، مطبع سلیمان فارسی، ۱۴۰۶ ھجری

۱۷۔ تفسیر بحر المحیط، ابو حیان محمد بن یوسف، صفحہ: ۲۹۵، جلد: ۵، دار الفکر بیروت ۱۴۱۲ھ

☆☆☆